ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

خیبر پختون خوا میں اُردو رباعی : قدیم ناموں اور ہیئتوں سے صنفی شناخت تک کا سفر

URDU RUBAI IN KHYBER PAKHTUNKHWA: FROM ANCIENT NAMES AND FORMS TO GENDER IDENTITY

عبید بازغ

پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبۂ اردو، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور

پروفیسر ڈاکٹر محمد امتیاز

شعبۂ اردو، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور

ڈاکٹر نور فراز

ماہر مضمون اُردو، گورنمنٹ ہائیر سکنڈری سکول پیر پیائی، نوشہرہ

Ubaid Bazigh
Ph.D Scholar, Department of Urdu, Sarhad University of Science and Information Technology Peshawar
Prof. Dr. Muhammad Imtiaz
Department of Urdu, Sarhad University of Science and Information Technology Peshawar
Dr. Noor Faraz
Subject Specialist in Urdu, Govt. Higher Secondary School Pir Pai, Nowshera

Abstract:

No research work has been conducted so far on Urdu Rubai in Khyber Pakhtunkhwa. This article attempts, for the first time at a research level, to trace the ancient roots of the Rubai genre in this region and describe its gradual evolution. It is revealed that Rubai in the form of folk songs has existed in some form among Pashtun poets since ancient times. However, the specific gender identity that Urdu Rubai possesses today did not exist before. The term "Rubai" was not reserved for a specific genre of poetry, and poets and singers used to present all kinds of verse as Rubai. This practice still exists in some places today. Rubai was known by various names such as Char Baita, Do Baiti, Char Baiti, Ghazal, Qaul, Qawwali, and others. Although Rubai entered Urdu and Pashto under the influence of Persian and Arabic, Pashtun poets did not strictly follow it; rather, they adapted it to their traditions and local rhythm, as evident in the Pashto poetry of Khushal Khan Khattak and Rahman Baba. However, the gender identity of Rubai is determined by its distinct meters derived from its persian prosody and the behr e Hejaz meter, while its formal identity is recognized by its four-line structure. It took a long time for Urdu Rubai in Khyber Pakhtunkhwa to establish its gender identity, during which the influences of Pashto and Persian cannot be overlooked. The article also sheds light on the gender identity and art of Urdu Rubai

Key words: folklore, prosody, behr e hazaj,genre identity, Persian meter, chaar baita, do baiti,tarana.

خیبر پختونخوا کی شعری روایت میں رباعی مختلف ناموں اور ہیئتوں میں موجود رہی ہے تاہم ایسا نہیں کہ اس صنف سخن کی وہ صورت جو آج ہمارے سامنے ہے ابتدا سے ہی موجود تھی۔ رباعی ارتقا کے ایک طویل دور سے گزر کر اپنی موجودہ صورت تک پہنچی ہے۔ اردو رباعی تو دور کی بات ہے پشتو رباعی کو بھی اپنے صنفی اظہار تک آتے آتے زمانے لگے ہیں۔ صنفِ رباعی کو قدیم ایرانی صنفِ سخن ترانہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ قدیم فارسی ادب میں ترانہ گائی جانے والی صنف تھی۔ اسے رباعی کی قدیم شکل بھی قرار دیا جاتا ہے۔ ترانہ موسیقی کی لحنیں تھیں جو عورتوں اور بچوں میں بہت مقبول تھیں اور انھیں میلے ٹھیلوں اور عرس و تہوار میں گایا جاتا تھا۔ رباعی فارسی صنفِ شعر ترانہ کی ترقی یافتہ صورت اور اس کا عربی نام ہے۔ اسے تاریخ کے مختلف ادوار میں چہاربیتی، دوبیتی، ترانہ، اموالی ، قول، قوالی، غزل، چاربیتہ اور مختلف ناموں سے موسوم کیا گیا ہے

قدیم ایران میں رباعی جس معاشرتی اور ادبی فضا میں پروان چڑھی کم و بیش اسی طرح کی صورتِ حال خیبر پختونخوا میں بھی نظر آتی ہے۔ لوگ گیت، لوک موسیقی، شعرا اور صوفیا کی سرپرستی اس کے مشترک عناصر ہیں۔ فرہنگ آصفیہ کے مطابق لفظ ترانہ کے معنی ہیں جوان، رعنا، گیت۔ بباطن ترانہ موسیقی کی اصطلاح ہے۔ فارسی میں ایک لفظ رندانہ ہے جس سے لفظ رندانہ بنایا گیا ہے۔ اسی طرز پر لفظ تر سے ترانہ بنایا گیا ہے۔ جس میں نہ نسبتی ہے۔ مطلب ہوا تر والا یا تر والی۔ اگر تر کو مرطوب کے معنی سے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

منسوب نہ کریں اور لحن، موسیقی یا سُر مراد لیں تو معنی ہوئے موسیقی یا نغمے والی شے۔ وہ صنف جس میں رسیلے سُر ہوں۔ اب ہم رباعی، بحر ہزج، اور ترانہ کو ایک ساتھ رکھ کر دیکھیں تو ان میں نمایاں مماثلت نظر آئے گی۔ ہزج کے معنی ہیں رسیلے گیت، رباعی کے اوزان بحر ہزج سے تخریج ہیں اس لیے اس میں موسیقی فطری طور ودیعت ہے۔ اور اصل میں یہ بحر ہزج کے اوزان ہی ہیں جن سے مخصوص لحنیں پیدا ہوتی ہیں جو دل دماغ کو تازہ دم کر دیتی ہیں۔ لفظ ترانہ میں تازگی، شباب، رعنائی اور نغمگی تمام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

دوبیتی اور چہاربیتی کا نام بھی رباعی کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ تاہم چہاربیتی کا کوئی نمونہ نہ تو فارسی میں کہیں دستیاب ہوا اور نہ ہی خیبر پختونخوا کی قدیم شاعری میں اس کے وجود کا سراغ ملتا ہے۔ اردو میں حافظ محمود شیرازی نے چہاربیتی کا جو اکلوتا نمونہ دیا ہے وہ بھی قیاس پر مبنی ہے۔ البتہ دوبیتی کے نمونے فارسی ادب میں ہمیں بکثرت ملتے ہیں۔ باباطاہر عریاں کا نام فارسی ادب میں اور علامہ اقبال کا نام اردو شاعری میں دوبیتی کے حوالے سے معروف ہے۔ تاہم دوبیتی اور رباعی میں بھی فرق ہے۔ دوبیتی مسدس الارکان ہے جبکہ رباعی مربع الارکان ہے۔ دونوں کا وزن بھی مختلف ہے۔

دوبیتی اور چاربیتی کی طرح چاربیتہ بھی ایک قدیم صنف ہے چاربیتہ کی ہیئت خواہ کچھ رہی ہو مگر اس کے نام سے ہی فوراً رباعی کی طرف ذہن جاتا ہے۔ نیمکئی، ٹپہ، چاربیتہ عوامی ادب کی مشہور اصناف ہیں جن کا تعلق لوگ گیتوں اور موسیقی سے ہے۔ فارغ بخاری چاربیتہ کے حوالے سے لکھتے ہیں

> ،،چاربیتہ فنی طور پر طویل نظم سے مشابہ ہے مگر اسے نظم یا نظم کی کوئی قسم نہیں کہا جاسکتا۔ اس کا مخصوص ملی وزن اور عوامی آہنگ اس کی انفرادیت کے ضامن ہیں۔ چاربیتہ پشتو کے دوسرے لوگ گیتوں کی طرح قدما سے سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے آئے ہیں،،(1)

فارغ بخاری کے بقول یہ صنفِ سخن (چاربیتہ) ہندوستان کے افغان شعرا یا ہند کو شعرا کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی.

رضا ہمدانی نے چاربیتہ کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ہے لیکن چاربیتہ کی وجہء تسمیہ سے لاعلمی کا اظہار بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار اپنے مقالے میں اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ چونکہ چاربیتہ کی کئی ہیئتیں اور اقسام ہیں اس لیے ادبی نقاد اس کی وضاحت اور تعریف میں مختلف الخیالی اور اختلاف رائے کا شکار ہیں لہذا رضا ہمدانی کو کہنا پڑا کہ اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا(۲)

اگر لغوی اعتبار سے دیکھیں تو چاربیتہ سے مراد چار بیت ہیں۔ تاہم اصطلاحی معنی میں یہ غزل، نظم، کافی، قطعہ، رباعی یا حرفی کی صورت میں پیش کیے گیے چند اشعار کا مجموعہ ہے۔ چار بیتہ اور رباعی کے لغوی مفہوم میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ تدریجی ارتقا کے نتیجے میں چاربیتہ کو خیبر پختونخوا میں رباعی کہا جانے لگا۔ لیکن رباعی کو اس کی صنفی شناخت بخشنے میں پشتو کے ساتھ ساتھ عربی اور فارسی اثرات بھی کارفرما رہے۔ آج بھی اکثر پشتون گلوکار اور شعرا چند اشعار رباعی کے طور پر ترنم سے پڑھتے ہیں ہر چند کہ وہ رباعی کی مروجہ تعریف پر پورا نہیں اترتے۔ متقدمین چاربیتہ میں طویل نظموں اور داستانوں کو شامل کر لیتے تھے مگر اب ان کی تعداد گھٹ کر عام طور پر چار مصرعوں تک رہ گئی ہے۔ چار مصرعوں کی ہیئت کو مقبول بنانے میں خوشحال خان خٹک کی رباعیات نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ تاہم رباعی محض چار بیتے کا ارتقا نہیں۔ اردو رباعی کی صنفی شناخت کا سہرا فارسی روایت کے سر سجتا ہے۔ بیت عربی کا لفظ ہے۔ اس رعایت سے چاربیتی یا چاربیتہ سے مراد چار شعر ہیں۔ حافظ محمود شیرانی کے مطابق چہاربیتی کے شعر بعد میں گھٹ کر دو رہ گئے اور یوں چہاربیتی کو دوبیتی کہا جانے لگا۔ چہاربیتی پر حافظ محمود شیرانی نے اصول مثمنات کی روشنی میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ تاہم تاریخی اعتبار سے اس کا کوئی نمونہ دستیاب نہیں ہوا۔ لفظی اور معنوی اعتبار سے فارسی کی چہاربیتی اور پشتو کا چاربیتہ آپس میں گہری مماثلت رکھتے ہیں۔ دوبیتی سے مراد دو شعر یا چار مصرعے ہیں اور یہی رباعی کی ظاہری ساخت پر پورا اترتے ہیں۔ پشتون شعرا بھی قدیم سے دو شعر یا چار مصرعوں کو رباعی کے طور پر پڑھتے چلے آئے ہیں۔ لیکن رباعی کیونکہ خاص اوزان میں کہی جاتی ہے اس لیے محض دو شعروں کا ہونا رباعی ہونے کے لیے کافی نہیں۔ اگر دو شعر خاص اوزان میں نہیں تو پھر اسے قطعہ یا کوئی اور صنف قرار دیا جائے گا رباعی نہیں۔ فکری اور فنی مغالطوں کی وجہ سے خیبر پختونخوا میں اکثر قطعات کو بھی رباعی تصور کر کے پیش کیا گیا ہے۔ بعض شعرا کے کلام میں رباعیات ملتی ہیں مگر انھیں قطعات کے عنوان کے تحت لکھا گیا ہے۔ پشتو میں چار مصرعوں پر مبنی نظم کو رباعی کا نام دیا جاتا ہے لیکن اردو میں چار مصرعوں کے ساتھ مخصوص اوزان کی شرط رکھی گئی ہے۔ خیبر پختونخوا کی اردو رباعی نے پشتو رباعی کی نسبت فارسی رباعی سے زیادہ اثر قبول کیا یا پھر اس روایت کی پیروی کی جو خود اردو شاعری میں رباعی گوئی کی صورت برصغیر پاک و ہند کے ادبی مراکز میں پروان چڑھ رہی تھی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

پشتون شعرا رباعی کے لفظ کا اطلاق عرصۂ دراز تک موسیقی کی لحنوں اور ہر قسم کی شعری اصناف پر کرتے رہے جن میں غزل، دوبیتی، قطعہ، ٹپہ، نمکئی اور چاربیتہ وغیرہ شامل ہیں۔ یہ چلن اب بھی کہیں کہیں ملتا ہے۔ لنڈئی ہو یا ٹپہ یا چاربیتہ صوبے میں ہر جگہ پٹھانوں کا ہر قبیلہ اس کا دلدادہ رہا ہے۔ حجروں میں یا میلوں ٹھیلوں میں کہیں گھڑے کی تھاپ پڑتی ہے تو کوئی شوقین کان پر ہاتھ رکھ کر چاربیتہ گانے لگتا ہے۔ چاربیتہ خاصے طویل بھی لکھے گئے جن میں کوئی داستان بیان کی جاتی تھی۔ اس کے برعکس ٹپہ ڈیڑھ مصرعے میں لکھا جاتا ہے۔ گانے والے لوک گیتوں کو اپنے انداز میں گاتے ہیں لیکن عام طور پر "یا قربان" کی لمبی تان الاپ کر ٹپے گائے جاتے ہیں۔ قدیم ایران میں ترانہ یا رباعی کے اشعار سنطور بجا کر گائے جاتے تھے جبکہ خیبر پختونخوا میں چاربیتہ چھوٹے سے نقارے پر کورس کی شکل میں گایا جاتا ہے لیکن غالب آواز ایک ہی فرد کی ہوتی ہے۔ جہاں اس کے مقابلے ہوتے ہیں انھیں اکھاڑہ کہا جاتا ہے۔ یہ چاربیتے گانے والے کے اکھاڑے کے نام سے مشہور ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص چاربیتہ سننا چاہتا ہے تو کہتا ہے فلاں اکھاڑے کا چاربیتہ سناو۔ مشہور اکھاڑوں میں اکھاڑہ میاں خان، اکھاڑہ صبر استاد، اور اکھاڑہ گوہر علی خان نمایاں ہیں (۳) یہاں مثال کے طور پر ایک چاربیتہ لڈن خان پیش کی جاتی ہے۔

فرقت نے تیری مارا اے، اے میرے دلدارہ
غیر پر لطف و کرم، ہم پہ ستم پہ ستم
سینہ میں دل غم سے ہوا میرا، پارہ پارہ، اے اے میرے دلدارہ
ہجر کا حالِ زبوں، خبر تیرے کس سے کہوں
عاشقِ مضطر سے کیا کس لیے کنارا، اے اے میرے دلدارہ
قیس کو لیلیٰ سے کام، سرو پہ قمری تمام
زندگی بلبل کی گلِ تر کا ہے نظارہ، اے اے میرے دلدارہ
بہرِ خدا اے صبا، کہنا میاں سے جا
عاجزِ بے کس کو تمھارا ہے بس سہارا، اے اے میرے دلدارہ (۴)

اردو چاربیتہ کا ایک نمونہ ہمیں صوبہ خیبر پختونخوا کے پہلے اردو صاحبِ دیوان شاعر قاسم علی خان آفریدی کے کلام میں ملتا ہے

روٹھا ہے یار تجھ سے
اے دل اوسے منالے
تجھ پر اگر خفا ہے
شاید تیری خطا ہے لائق تجھے وفا ہے
جا کر گلے لگالے

اوسکی گلی میں جانا
کہنا یہی فسانہ
میں تجھ پہ ہوں دوانہ
مرتا ہوں آجلالے دل دے چوکا ہوں پیارے
آجا تو گھر ہمارے

عاشق ہی ہیں تمھارے
چاہے ہنسا رلالے
قاسم علی فدا ہے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

تجھ حسن کا گدا ہے اسکی یہی ندا ہے
مل جا مجھے ملالے(5)

(۵)

اس نمونہ کلام سے اردو چار بیتے کی ہئیت پر روشنی پڑتی ہے۔اور چار حصوں میں اس کی تقسیم خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔

اردو دیوان قاسم علی آفریدی مرتبہ خیال بخاری میں رباعیات کے عنوان سے ہمیں ابیات ملتے ہیں۔جو ہئیت کے اعتبار سے چار مصرعوں پر مشتمل ہیں۔صنف رباعی چار مصرعوں میں محدود ہوتی ہے۔نہ صرف چار مصرعوں میں محدود ہوتی ہے بلکہ ہر مصرعے کے عروضی ارکان بھی چار ہوتے ہیں۔خیبر پختونخوا کے چار بیتے کیونکہ ملی اوزان میں لکھے گئے اس لیے ان میں عجمی عروض کی پابندی نہیں ملتی۔

افغان شعرا کا مزاج بنیادی طور پر ملی ہے اس لیے ان کے ہاں جو رباعیات ملتی ہیں وہ بھی ملی اوزان کی ہی نمائندہ ہیں۔اس حوالے سے خوشحال خان خٹک کی رباعیات کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

پشتون شعرا نے فارسی طرز پر رباعی یا غزل کا ہو بہو تتبع نہیں کیا بلکہ غزل اور رباعی کو اپنی ملی اقدار اور تہذیب و تمدن میں ڈھالا ہے۔عبدالرحمان بابا کی غزلیات کو پشتون رباعی کہتے تھے(۶) ایک روایت یہ تھی کہ مجلس کی ابتدا ترانے سے ہوتی تھی۔عبدالرحمان بابا کے عہد میں ان کا کلام پڑھا اور گایا جانے لگا۔ہر غزلخوا کے لیے ضروری ٹھہرا کہ وہ غزل سے پہلے رحمان بابا کی رباعی پڑھے۔

پشتو ثقافت میں موسیقی اگرچہ شروع ہی سے موجود تھی تاہم روشنائی تحریک نے سماع کو خاصا فروغ دیا اور اس میں روحانیت کے عنصر کو شامل کیا۔اس عہد میں شعرا نے عجمی عروض کا تتبع نہیں کیا۔بلکہ لوگ گیتوں کے لیے ان کا اپنا عروضی نظام تھا۔جسے ہم ملی اوزان سے تعبیر کرتے ہیں۔ایک طویل دور تک ہمیں ایسا کوئی شاعر نہیں ملتا جس نے عجمی عروض کی پوری طرح پابندی کی ہو۔غزل کے عروض میں بھی سیلابوں سے ہی کام لیا گیا۔لیکن یہاں بھی اصول و قواعد پوری طرح کارفرما نظر نہیں آتے۔سیلابوں کے تعین کا معاملہ شاعر کی صوابدید پر چھوڑا گیا۔جس شاعر کے وجدان نے جتنے سیلاب پسند کیے اس نے انھیں کو برتا۔

رباعی کے عجمی اوزان فارسی اور اردو میں بہت بعد میں آئے۔ابتدا میں پشتو کی ملی اصناف میں ملی اوزان ہی مستعمل تھے جنھیں سیلاب کہا جاتا تھا۔سیلاب کا لفظ چھند کے مترادف ہے۔یہ ایک عروضی قاعدہ ہے۔ملی اصناف اپنے ملی اوزان میں اب تک چلی آرہی ہیں۔پشتو زبان میں سیلاب انگریزی کے سلیبل سے مشابہ ہے اور انھیں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

خیبر پختونخوا میں پشتو رباعی کا آغاز پہلے اور اردو رباعی کا آغاز بعد میں ہوا۔پشتو میں جو شعری کلام رباعی کے طور پر پیش کیا جاتا تھا وہ آج کے مروجہ اوزان کے مطابق نہیں تھا۔تاہم اردو سے قبل صوبہ خیبر پختونخوا کی پہلی شعری روایت پشتو شعری روایت ہے۔اور رباعی زمانہ قدیم میں بھی پشتو موسیقی اور گائے جانے والے گیتوں کی صورت میں موجود تھی۔اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پشتو زبان و ادب نے اردو زبان و ادب پر بھی اپنے اثرات مرتب کیے۔فارغ بخاری کا دعویٰ ہے کہ اردو زبان کا جنم بھی اسی خطے میں ہوا۔اس حوالے سے وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ شمال مغرب سے پاک و ہند میں داخل ہونے والے فاتحین کا سامنا سب سے پہلے افغانوں سے ہوا۔غزنوی کا لشکر ہو یا احمد شاہ ابدالی کا لشکر افواج میں سب سے زیادہ تعداد افغانوں اور پشتونوں کی تھی۔انھیں میں جس نئی زبان کا ہئیولا تیار ہوا سے لشکر کی رعایت سے اردو کہا گیا۔ہند کو اسی کی ایک قدیم ترین صورت ہے جو آج بھی رائج ہے۔اس نظریے سے اختلاف کے باوجود اردو پر پشتو اور ہندکو کے اثرات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔صوبے میں پشتو کے علاوہ بھی کئی قومیں آباد ہیں، چترالی، کوہستانی گوجری اور ہندکو بولنے والی قومیں بھی ہیں(۷) لیکن پشتو بولنے والوں کی تعداد غالب ہے۔پشتو کی دوسری روایت فارسی آمیز ہے کہ جب پشتو پر فارسی شاعری کے اثرات مرتب ہونا شروع ہوئے جبکہ پشتو اردو ذوالسانی روایت کا دور اس کے بعد کا ہے۔اردو اور پشتو میں اشتراک کی وجہ وہ فارسی عناصر بنے جو پشتو شاعری نے اپنائے اور سچ یہ ہے کہ فارسی کے یہ عناصر بھی زیادہ تر پشتونوں کی بدولت ہی اردو میں داخل ہوئے۔

پشتو پر فارسی اور اردو کے اثرات کے حوالے سے ڈاکٹر خالد خان خٹک لکھتے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

"پشتو اور اردو کے اشتراک کی ایک بڑی وجہ وہ فارسی عناصر ہیں جو پشتو اور اردو دانوں نے اپنائے۔ یہاں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ فارسی کا یہ بڑا حصہ افغانوں ہی کے ذریعے اردو میں منتقل ہوا۔"(۸)

تاریخی حوالے سے پٹہ خزانہ نامی کتاب بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس میں اکیاون شعرا کا ذکر ہے اس میں امیر کروڑ نامی شاعر کا ذکر بھی ہے جسے پشتو کا پہلا شاعر قرار دیا گیا ہے۔(۹) فارغ بخاری کے مطابق پشتو کا اولین دریافت شدہ شاعر جو ۱۳۹ھ ہجری میں گزرا ہے اپنی بہادری اور شجاعت کے باعث جہانِ پہلوان کے لقب سے مشہور تھا۔ تاریخ میں اس کی رباعی گوئی کا تو کہیں ذکر نہیں ملتا البتہ نظم کی بات ضرور کی گئی ہے۔ اس کی واحد رجزیہ نظم جو دستیاب ہوئی ہے وہ کئی دیوانوں پر بھاری ہے۔ اس شاعر کا شمار لشکر اسلام کے غازیوں میں ہوتا تھا۔ اس کے بعد اسد سوری، ملک یار غرشین اور باباہوتک وغیرہ بے شمار شاعر ملتے ہیں جو قلم اور تلوار کے دھنی تھے۔ یہاں تک کہ یہ روایت خوشحال خان خٹک اور احمد شاہ ابدالی تک پہنچتی ہے۔(۱۰)

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس خطے کے علمی وادبی آثار مخصوص سماجی حالات کی وجہ سے کبھی پوری طرح محفوظ نہیں رہے۔ تاہم جو سرمایہ زمانے کی دست برد سے بچ گیا وہ تشنگانِ علم و تحقیق کے لیے گرانقدر اہمیت کا حامل ہے۔ بیسویں صدی سے قبل کا جو دور ہے اس میں خود پشتونوں نے بھی تاریخ نگاری کو کچھ خاص توجہ نہ دی۔ اس دور میں صرف ایک نام محمد ہوتک کا ملتا ہے جو "پٹنہ خزانہ" کا مصنف ہے۔ اس کی یہ تصنیف پشتو ادبیات اور تاریخ تذکرہ نگاری میں ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ پٹنہ خزانہ میں اردو رباعی کے آثار تو کہیں نہیں ملتے لیکن پشتو رباعی کی موجودگی کے شواہد ضرور ملتے ہیں۔

جیسا کہ قبل بیان ہوا رباعی قدیم پشتو ادب میں کسی نہ کسی صورت میں ضرور موجود تھی۔ خوشحال خٹک کے دور میں اس کی صنفی پہچان نسبتاً کھل کر سامنے آئی۔ لیکن اس دور میں بھی اردو رباعی ہمیں کہیں نظر نہیں آتی۔ تاہم خوشحال خان خٹک کی اردو نما پشتو غزلیں ہمیں اردو شاعری کے روشن امکانات کی نوید سناتی نظر آتی ہیں۔

بایزید انصاری المعروف بہ پیر روشن (پیر روخان) ۱۵۲۵ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۸۵ میں فوت ہوئے۔ آپ کی ایک تصنیف خیر البیان صوبہ سرحد کی اولین اردو نثر ہے پیر روشن بڑے باکمال بزرگ تھے اور انھیں پشتو، فارسی، عربی اور ہندی پر عبور حاصل تھا۔ اپنے دینی عقائد کی تبلیغ کے لیے وہ انھیں چار زبانوں کو ذریعہ اظہار بناتے تھے۔ حنیف خلیل ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

'پیر روشن نے اپنی نثری تصنیفات کے ذریعے پشتو ادب کی بڑی خدمت کی ہے۔ اور ایک نئے مکتبہء فکر کی بنیاد رکھی ہے۔ ان سے پیشتر پشتو زبان میں قصیدہ، غزل قطعات اور مثنویوں کا رواج نہ تھا۔ پیر روشن نے ان تمام اصناف سخن میں پشتو میں اشعار کہے۔"(۱۱)

حنیف خلیل کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیر روشن نے پشتو زبان میں غزل قصیدہ، قطعات اور مثنوی میں اشعار کہہ کر ان اصناف شاعری کو فروغ دیا۔ انھوں نے اگرچہ رباعی کا کہیں نام نہیں لیا لیکن یہ اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے قطعہ جو چار مصراعی ہے رباعی کی لے میں ہی گا کر سنایا جاتا ہوگا۔ نیز ملی اصناف چاربیتہ، ٹپہ وغیرہ تو لوک گیتوں کی صورت میں اس وقت بھی موجود تھے اور قطعہ رباعی سے الگ متصور نہ ہوتا تھا۔

پہلا پشتو رباعی گو شاعر کون تھا یہ بتانا مشکل ہے۔ تاہم دستیاب تحریری شواہد کے مطابق خلیل خان نیازی کا نام اس حوالے سے اہم ہے۔۔ حنیف خلیل کہتے ہیں کہ

"پٹہ خزانہ کی روایت کے مطابق پشتو میں پہلی دفعہ خلیل خان نیازی نے 894ھ میں رباعی لکھی۔ یہ سلطان بہلول لودھی کا درباری شاعر تھا۔ اس کے بعد خوشحال خان خٹک کے دور تک ایک آدھ شاعر نے رباعیات لکھیں مگر خوشحال خان نے اس صنف کی طرف بھرپور توجہ دی اور پشتو میں سیکڑوں رباعیات لکھیں"(۱۲)

مشہور حکمران بہلول لودھی ایک عالم فاضل انسان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شاعر بھی تھا۔ اور رباعی بھی کہتا تھا۔ برسات رت میں جب موسم اپنے جوبن پر تھا خلیل خان نیازی نے بہلول لودھی کو پشتو رباعی ہدیہ کی جسے ادبیات سرحد جلد اول سے یہاں نقل کیا گیا ہے۔

خڑی اور یزی جاڑی لہ پاسہ
کونلہ غگ کا بیلتون لہ پاسہ
پہ ھغہ لونی گوھر پہ خول دستا
دامر حبا کا دستاز مونگ مواسا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

عالمِ بالا میں ملگجے بادل رو رہے ہیں
کوئل غمِ فراق میں نالہ وفریاد کر رہی ہے
نہیں نہیں ایسا نہیں بلکہ وہ تمھارے خود پر گوہر نثار
کر رہا ہے اور تجھے مرحبا کہہ رہی ہے اے میرے محافظ
سلطان بہلول لودھی نے جب یہ رباعی سنی تو اس کے جواب میں ارتجالاً یہ رباعی کہی۔ ترجمہ
میں اپنی داد و دہش سے مملکت کو سرسبز و
شاداب بنادوں گا میری داد و دستار کے
بادلوں کو دیکھ۔ میرا خود گوہر عدل ہی
کی وجہ سے روشن ہے۔ مجھ سے ہی دنیا
زیب وزینت پائے گی۔(۱۳)

صاحب سیف و قلم خوشحال خاں خٹک 1022ھ/1613تا1100ھ/1689 کی رباعیات اور اردو نما پشتو غزلیات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ خوشحال خاں خٹک کے ہاں کثیر تعداد میں پشتو رباعیات ملتی ہیں۔ لیکن اس کی بحر اور عروض مخصوص فارسی اوزان میں نہیں۔ یہ اصل میں پشتو رباعی کا دور تھا۔ اس دور میں اردو رباعی کو وہ خاص عروضی صنفی شناخت نہ ملی تھی جو آج اسے حاصل ہے۔ تاہم پشتو شاعری کی بدولت رباعی کا نام ایک خاص قسم کی شاعری کے لیے مخصوص ضرور ہو گیا جو میلوں ٹھیلوں میں گائی جاتی تھی اور جو ابھی اپنے خط و خال کو اجاگر کرنے میں مصروفِ عمل تھی۔ چار مصرعے اس کی ظاہری شناخت تھی۔ اس میں قافیہ اور ردیف بھی اردو اور فارسی طرز پر استعمال ہوتے تھے یعنی چاروں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے تھے جبکہ تیسرے مصرعے کو قافیہ و ردیف سے عام طور پر آزاد رکھا جاتا تھا۔۔اس دور کی پشتو رباعیات کے جو اردو تراجم ہوئے انھوں نے بھی اردو رباعی کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

رباعیات خوشحال خٹک میں ڈاکٹر عارف تبسم لکھتے ہیں

"میں نے آٹھ سو رباعیات کا منظوم ترجمہ اچھی طرح دیکھا بھالا اسے ہر لحاظ سے پرکھا ہر دو متون (پشتو اردو) کا بہ نظر غائر موازنہ کیا اور یہ احساس ہوا کہ یہ رباعیات انتہائی مہارت اور شاعرانہ ذوق کے ترجمے کی حامل ہیں۔ ان میں اکثر و بیشتر خوشحال خان خٹک کا مفہوم بھی سمیٹے ہیں اور ساتھ اردو کی خوبصورت چاشنی بھی رکھتے ہیں البتہ ان میں جو رباعیات یا مصرعے مفہوم سے ہٹ کر تھے اور صحیح مفہوم واضح نہ تھا میں نے ان کی منظوم تصحیح کی" (۱۴)

رباعی کے حوالے سے خوشحال خان خٹک کا نام خاص اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے ملی اوزان میں رباعی کہی اور خوب کہی۔ سماع کی محفلوں میں مغنیوں اور گویوں نے ان کی رباعیات کو ہر خاص و عام تک پھیلا دیا۔ اور اس طرح رباعی نے ایک خاص طرز سخن کے طور پر اپنی الگ شناخت قائم کی جس نے آگے چل کر اردو رباعی کا راستہ ہموار کیا۔ ان کی ایک پشتو رباعی جو ناصر علی سید کی مرتبہ کتاب منتخب رباعیاتِ خوشحال خان خٹک سے لی گئی ہے ملاحظہ ہو۔

کہ واڑہ خلق ثنا خدائے کہ
نو هر سہ پرپریگدی خودہائے ہائے کہ
ثنائی دیرہ دہ تر حساب تیرہ
سوک بہ یی کو مہ ثنا پہ زائے کہ

طٰہٰ خان نے اس رباعی کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

مصروفِ تشکر ہو جو مخلوق تمام
حق اس کا ادا کر نہ سکے خاص نہ عام

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

کر سکتا نہیں کوئی شمار اکرام
تعریف نعم ہو نہ سکے حسبِ مقام

اس ترجمے کی خاص بات یہ ہے کہ نہ صرف یہ منظوم ترجمہ ہے بلکہ اس میں اوزان بھی رباعی کے برتے گئے ہیں۔

پشتو کے ساتھ ساتھ فارسی کے ترجموں نے بھی اردو رباعی کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ پشتو کے حوالے سے طٰہٰ خان اور فارسی ترجموں کے حوالے سے میر ولی اللہ لیبٹ آبادی کا نام خاص اہمیت کا حامل ہے۔

میر ولی اللہ نے حافظ اور عمر خیام کے تراجم کیے ان تراجم کے رد عمل میں خیبر پختونخوا میں صنف رباعی سے گہری شناسائی اور رغبت پیدا ہوئی۔ میر ولی اللہ کاس الکرام مطبوعہ 1924 کے دیباچے میں لکھتے ہیں

"لسان الغیب شرح دیوانِ حافظ شائع ہو کر ملک میں بے حد مقبول ہو چکی ہے صرف اکبر ہی نہیں بلکہ آج کل پبلک بھی لسان الغیب کے شرح رباعیات خیام کا تقاضا کر رہی تھی۔ اس لیے نیاز مند مولف نے اس کتاب کے لکھنے اور شائع کرنے کی جرات کی

بادہء ناب میر ولی اللہ کی شاعری کا فارسی مجموعہ ہے جس میں ان کی فارسی رباعیاں ہیں۔ ان کی یہ فارسی رباعی ملاحظہ کیجیے۔

در شعر ندانم دُرِ معنی سُفتن
لیکن سخنے ہست کہ باید گُفتن
نزدیک خرد مند بود غایتِ جہل
در کشمکشِ عرصہ دنیا خفتن

(میں اپنے اشعار میں معنی کے موتی نہیں پرو سکتا لیکن ایک بات ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ عقل مند کا اس کشمکش دہر میں سو جانا انتہائی درجے کی بے وقوفی ہے۔)

پشتون شعرا رحمان بابا کی غزلوں کو بھی رباعی کا نام دیتے تھے۔ سماع کی محفلوں میں یہ رواج تھا کہ غزلخوا غزل پیش کرنے سے پہلے رحمان بابا کی رباعی پڑھتا تھا۔ اس چلن کا یہ فائدہ ہوا کہ پشتون شعر الفظ رباعی سے اچھی طرح مانوس ہو گئے اور رباعی ان کے لیے اجنبی نہ رہی۔

مسلم الثبوت اساتذہ نے رباعی کے چوبیس اوزان پر اتفاق کیا ہے جو بحر ہزج سے مستخرج تصور کیے جاتے ہیں۔۔ مفاعیلن اس بحر کا سالم رکن ہے۔ جس پر زحافی عمل سے اساتذہء متقدمین نے کل نو ارکان حاصل کیے ہیں جو رباعی کے لیے مخصوص ہیں۔

1۔ مفاعیلن۔2۔ مفاعلن۔3۔ مفاعیل۔4۔ مفعولن۔5۔ مفعول۔6۔ فعول۔7۔ فاعلن۔8۔ فعل۔9۔ فاع۔10۔ فع

ان میں مفاعیلن سالم ہے اور باقی نو زحافات کے ساتھ آتے ہیں۔ فرمان فتح پوری اس ضمن میں لکھتے ہیں

"رباعی کے ہر مصرعے میں انھیں دس ارکان میں سے کوئی چار ضرور آئیں گے علمائے عروض و قواعد اس امر پر متفق ہیں کہ رباعی کا ہر مصرع چار رکنی ہوتا ہے اور بحر ہزج مثمن اخرب و اخرم کے چوبیس اوزان کے سوا رباعی میں کوئی وزن نہیں آتا" (۱۷)

رباعی کے اوزان کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ سب اس پر متفق ہیں کہ رباعی بحر ہزج سے مخصوص ہے۔ خواجہ امام حسن قطان نے رباعی کی تفہیم کے لیے بارہ بارہ اوزان کو دو الگ الگ خانوں میں بانٹ دیا اور انھیں شجرہ اخرب اور شجرہ اخرم سے تعبیر کیا ہے۔ بعض عروضیوں کے مطابق دائرہ اخرم اور اخرب کے اوزان کو ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط نہیں کرنا چاہیے لیکن اس رائے کو مسترد کر دیا گیا ہے اور اخرم اور اخرب کے اوزان کو ملانا بھی جائز سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ یہاں تک اجازت ہے کہ رباعی کے چاروں مصرعوں میں رباعی کے الگ الگ اوزان کو جمع کیا جا سکتا ہے۔

ہندکو رباعی پر جدید اردو اور فارسی کے اثرات نمایاں ہیں اور اس کی وجہ ہندکو رباعی کا تاخیر سے وارد ہونا ہے۔ ہمیں ہندکو کے خال خال شاعر ملتے ہیں جنھوں نے اس صنف میں طبع آزمائی کی ہو۔ جدید دور کی یہ رباعی دیکھیے۔

چپ چاپ ای جلدا پیاں ٹہاکے ٹہاکے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

جانریں کیوں رلدا پیا ٹھاکے ٹھاکے
ہک فیدہ تے ہویا کہ چلو اپڑیں نال
تھوڑا جیا کھلدا پیاں ٹھاکے ٹھاکے
(سعید اشعر)

قاسم علی خان آفریدی صوبہ سرحد کے پہلے اردو صاحب دیوان شاعر ہیں۔ وہ ۱۷۶۳ میں فرخ آباد میں پیدا ہوئے اور انتقال ۱۸۳۴ میں ہوا۔ ان کے مطبوعہ دیوان میں رباعیات کے عنوان سے ابیات کی اچھی خاصی تعداد ملتی ہے۔ ان کی رباعیات میں از روے فارسی عروض شجرۂ اخرب و اخرم اور مروجہ اوزان کی پابندی سے انحراف ملتا ہے تاہم رباعی کی ہئیت، چار مصرعوں اور مزاج و تکنیک کے باعث یہ موجودہ دور کی اردو رباعیات کے بہت قریب ہیں۔ زمانی تناظر میں دیکھیں تو خود فارسی رباعی ایامِ قدیم میں دوبیتی اور چہاربیتی کے ناموں سے معروف تھی اور مخصوص اوزان کی تمیز نہ تھی۔۔ قاسم علی آفریدی کا نام رباعی کے ارتقا کے حوالے سے اس لیے اہم ہے کہ ان کے کلام میں چاربیتہ کے ساتھ ساتھ قطعات اور چار مصرعوں پر مشتمل مقطوعے شامل ہیں جن میں موجودہ عہد کی رباعی کے ابتدائی آثار واضح طور پر ملتے ہیں۔

کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو

خطِ آزادی لکھا تھا شوخ نے فردا غلط
دل میں رکھتا اور کچھ ظاہر لکھا انشا غلط
آفریدی جو ملے چھاتی لگا آنکھوں میں رکھ
دستخط اوس کا اگر املا ہے سرتاپا غلط

اس رباعی کی ہئیت پر غور کریں تو یہ چار مصرعوں کی رباعی ہے۔ اس دور سے قبل ہمیں رباعی کا ایسا نمونہ کہیں اور نہیں ملتا۔ اکثر پشتون شعرا کیونکہ غزل کو بھی رباعی کہہ کر پڑھتے تھے۔ اس لیے رباعی کے لفظ کا اطلاق کسی مخصوص صنفِ سخن پر نہیں ہوتا تھا۔ قاسم علی آفریدی نے اردو میں اس کی قطعہ نما ہئیت کو متعارف کرایا۔ اور اس طرح رباعی چاربیتہ کے دائرے سے نکل کر چار مصرعوں کے حرم میں مقید ہو گئی۔ پشتو شاعری میں خوشحال خان خٹک کے ہاں چار مصرعوں کی ہئیت ضرور موجود تھی لیکن اردو میں اس کا کوئی نمونہ موجود نہیں تھا۔ پشتو میں جو رباعی لکھی گئی وہ ملی اوزان کی نمائندہ تھی۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ خیبر پختونخوا کی شاعری پر پشتو اور فارسی کے ہی نہیں اس اردو شاعری کے اثرات بھی پڑے جو ہندوستان کے مراکز میں تخلیق ہو رہی تھی اور اس میں اردو رباعی کی روایت صوبے کی روایت سے زیادہ مستحکم تھی۔ اس عہد میں ولی دکنی کے کلام میں ہمیں اردو رباعی کے مکمل نمونے ملتے ہیں۔ لیکن رباعی بطور صنفِ سخن ابھی توانا نہ ہوئی تھی۔

قاسم علی آفریدی کے کلام کو پڑھتے ہوئے ہمیں زمانی فصل کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ یہ وہ دور تھا جب اردو زبان اپنی ارتقائی مرحلے سے گزر رہی تھی اور بالخصوص اردو رباعی کا چلن عام نہ تھا۔

قاسم علی آفریدی کی یہ رباعی ملاحظہ ہو

اتمام نہ ہووے گی کہانی اپنی
جب تک کہ رہے گی زندگانی اپنی
دنیا میں کلام آفریدی لیکن
ہم چھوڑ چلیں گے یہ نشانی اپنی (۱۵)

رباعی کی صنفی شناخت میں اس کی ظاہری اور داخلی ساخت کو اہمیت حاصل ہے۔ یہ چار مصرعوں پر مشتمل ایک مختصر نظم ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری اس حوالے سے لکھتے ہیں "شاعرانہ مصطلحات میں رباعی اس صنفِ سخن کا نام ہے جس میں مخصوص وزن کے چار مصرعوں میں ایک خیال ادا کیا جاتا ہے گویا رباعی وہ مختصر ترین نظم ہے جس میں مقررہ اوزان، وحدتِ خیال، اور تسلسل بیان کی پابندی از بس ضروری ہے" (۱۶)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

حاجی سرحدی کی درج ذیل رباعی ملاحظہ ہو

تو مردِ مجاہد ہے سکوں کوش نہ ہو
فطرت ہی تری ہوش ہے مدہوش نہ ہو
بخشا ہے تجھے حق نے شرف دنیا پر
انساں ہے تو احسان فراموش نہ ہو

اس رباعی کی اگر تقطیع کریں تو چاروں مصرعے مفعول۔ مفاعیل۔ مفاعیل۔ فعل کے وزن پر ملیں گے۔تاہم رباعی کے چاروں مصرعے مختلف اوزان کے بھی ہو سکتے ہیں لیکن شرط یہی ہے کہ یہ اوزان وہی ہوں جو رباعی کے لیے مخصوص کر دیئے گئے ہیں۔

خیبر پختونخوا میں انیسویں صدی اردو رباعی کا نقطۂ آغاز ہے۔ بتدریج اس صنف کو ہر دور میں ایسے شعرا میسر آتے رہے جنھوں نے رباعی کا چراغ جلائے رکھا۔ کچھ تو ایسے تھے جنھوں نے تفنن طبع کے طور پر رباعی کہی اور کچھ ایسے تھے جنھوں نے سنجیدگی کے ساتھ رباعی کو اختیار کیا اور اس فن کو ترقی دی۔ان میں حاجی سرحدی، آغا برق کوہاٹی، ضیا جعفری، محمد اکرم عزم اور روشن نگینوی کے نام متقدمین کے حوالے سے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

درج ذیل رباعیات ملاحظہ ہوں۔

ہے تشنہ مری روحِ ہلالی ساقی
مینائے غزل ہو گئی خالی ساقی
اے تشنگیٔ شوق بجھانے والے
اے کوثر و تسنیم کے والی ساقی
ضیا جعفری

اربابِ فصاحت میں یگانہ ہوں میں
دنیائے بلاغت میں یگانہ ہوں میں
اقلیمِ معانی کا ہوں دارا ے جلیل
انشائے لطافت میں یگانہ ہوں میں
(محمد اکرم عزم)

تابانیِ خورشید و قمر رکھتا ہوں
ذرہ ہوں پہ اوصاف مگر رکھتا ہوں
شاعر ہوں مرے واسطے کیا غیب و حضور
ہر ظاہر و باطن پہ نظر رکھتا ہوں۔
(روشن نگینوی)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

رباعی گو شعرائے متقدمین نے اردو رباعی کی صنفی شناخت کو استحکام بخشا اور جو معیار قائم کیا اسے جدید شعرا آج بھی قائم رکھے ہوئے ہیں۔ جدید رباعی گو شعرا نے رباعی گوئی کی روایت میں خوبصورت اضافے بھی کیے ہیں اور اس صنف کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ فارغ بخاری، سرحد کے لوگ گیت، لوگ ورثہ، اسلام آباد، ۱۹۷۴، ص ۱۰۳
۲۔ اظہار اللہ، ڈاکٹر رضا ہمدانی کی ادبی خدمات، (غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی) شعبہ اردو، جامع پشاور، 2004، نگران ڈاکٹر ظہور احمد اعوان، ص 151
۳۔ محمد افضل رضا، اردو کے قدیم پشتون شعرا، پشتو اکیڈمی، پشاور، 1998، ص ۳۸۰
۴۔ محمد افضل رضا، اردو کے قدیم پشتون شعرا ص ۳۸۰
۵۔ قاسم علی خان آفریدی، دیوانِ قاسم علی خان آفریدی (اردو) مرتبہ خیال بخاری، پشتو اکیڈمی، پشاور 1971، ص 264
۶۔ محمد نواز طاہر۔ رُوہی ادب (تاریخ ادبیاتِ پشتو) ترجمہ سید صفدر علیشاہ، پشتو اکیڈمی، پشاور، 1987 ص 24
۷۔ فارغ بخاری، سرحد کے لوک گیت، لوک ورثہ، اسلام آباد، ۱۹۷۴، ص ۳۶
۸۔ ڈاکٹر خالد خان۔ سندھی، پشتو اردو لسانی روابط۔ پشتو اکیڈمی پشاور، 2007، ص 220
۹۔ رضا ہمدانی، ادبیاتِ سرحد جلد اول، نیا مکتبہ، پشاور، ص 51
10۔ فارغ بخاری، سرحد کے لوک گیت، لوک ورثہ، اسلام آباد، ۱۹۷۴، ص ۳۷
11۔ حنیف خلیل۔ پاکستانی زبانوں کا تہذیبی مطالعہ۔ غزنوی پبلیشر، کوئٹہ، 2012 ص 67
12۔ حنیف خلیل۔ پشتو زبان و ادب کی تاریخ، یونیورسٹی پبلشر، پشاور، 2009 ص 176
13۔ رضا ہمدانی، ادبیاتِ سرحد جلد اول، نیا مکتبہ، پشاور، ص ۱۵۷
14۔ طہ خان، رباعیات خوشحال جلد اول منظوم اردو ترجمہ، پشتو اکیڈمی، پشاور 2009، ص۔ ب
15۔ قاسم علی خان آفریدی ص ۲۵۸
16۔ .فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو رباعی فنی و تاریخی ارتقا، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، 2020، ص 20
17۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو رباعی ص ۴۵

References in Roman Script:

1. Farigh Bukhari, Sarhad ke Lok Geet, Lok Virsa, Islamabad, 1974, P. 103
2. Izharullah, Dr. Raza Hamdani ki Adabi Khidmat, (Ghair Matboa Maqala baraye PhD), Shuba Urdu, Jamia Peshawar, 2004, Nigran Dr. Zahoor Ahmad Awan, P. 151
3. Muhammad Afzal Raza, Urdu ke Qadeem Pashtoon Shuara, Pashto Academy, Peshawar, 1998, P. 380
4. Muhammad Afzal Raza, Urdu ke Qadeem Pashtoon Shuara, P. 380
5. Qasim Ali Khan Afridi, Deewan-e-Qasim Ali Khan Afridi (Urdu), Murattiba Khayal Bukhari, Pashto Academy, Peshawar, 1971, P. 264
6. Muhammad Nawaz Tahir, Rohi Adab (Tareekh-e-Adbiyat-e-Pashto), Tarjuma Syed Safdar Ali Shah, Pashto Academy, Peshawar, 1987, P. 24
7. Farigh Bukhari, Sarhad ke Lok Geet, Lok Virsa, Islamabad, 1974, P. 36
8. Dr. Khalid Khan, Sindhi, Pashto Urdu Lasani Rabtay, Pashto Academy, Peshawar, 2007, P. 220
9. Raza Hamdani, Adbiyat-e-Sarhad Jild Awwal, Naya Maktaba, Peshawar, P. 51
10. Farigh Bukhari, Sarhad ke Lok Geet, Lok Virsa, Islamabad, 1974, P. 37
11. Hanif Khalil, Pakistani Zabanon ka Tehzibi Mutalia, Ghaznavi Publisher, Quetta, 2012, P. 67

12. Hanif Khalil, Pashto Zaban-o-Adab ki Tareekh, University Publisher, Peshawar, 2009, P. 176
13. Raza Hamdani, Adbiyat-e-Sarhad Jild Awwal, Naya Maktaba, Peshawar, P. 157
14. Taha Khan, Rubaiyat-e-Khushhal Jild Awwal, Manzoom Urdu Tarjuma, Pashto Academy, Peshawar, 2009, P. B
15. Qasim Ali Khan Afridi, P. 258
16. Farman Fatehpuri, Dr., Urdu Rubai Fanni wa Tareekhi Irtiqa, Al-Waqar Publications, Lahore, 2020, P. 20
17. Farman Fatehpuri, Dr., Urdu Rubai, P. 45